

کقادیانی ہوں اور اپنی تبلیغ نہ کریں۔ وہاں قادیانیوں نے ہر پلک جگہ پر اپنالٹر پچر کھا ہوا ہے، خصوصاً لاہور یوں میں اور کیفے وغیرہ میں۔ میں نے کچھ نوجوانوں کی ڈیوٹی لگائی جنہوں نے ان کا لٹر پچر آمد کروایا اور لوگوں کو یہ بات سمجھائی کہ یوگ یہاں مسلمانوں کے ہیں میں اپنے عقائد کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ میں نے وہاں ختم نبوت کو رسکھا جس میں شرکاء برڑی دور دور سے سفر کر کے شریک ہوئے اور الحمد للہ اس کے بہت اچھے نتائج سامنے آئے۔ امید ہے کہ اللہ وہاں کام کو جاری فرمائیں گے اور عام مسلمان قادیانیوں کے گمراہ کن عقائد سے محفوظ رہیں گے۔ کام کا آغاز ہو گیا ہے، اور ان شاء اللہ اب جاری رہے گا۔

مولانا عمار خان ناصر کے سفر امریکا کے تاثرات

۱۳ اگست کو ہی بعد از نماز عصر اکادمی کے ڈپٹی ڈائریکٹر مولانا عمار خان ناصر نے اپنے حالیہ سفر امریکہ کے تاثرات بیان کیے۔ مولانا عمار خان ناصر نے ڈریو یونیورسٹی (یو جرسی، امریکہ) میں قائم سنفر فاریلیچن، ٹکر اور کانفلکٹ ریزولوشن (CRCC) کی دعوت پر ۲۸ جولائی، تین یوچنے کے ایک سمناسی ٹیوٹ میں شرکت کی جس کا عنوان ”مذہب اور حل تنازعات“ تھا۔ مولانا عمار خان ناصر کے تاثرات کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

آج کی دنیا میں مذہب کے مطابع کا ایک بڑا نمایاں زاویہ یہ ہے کہ جس معاشرے میں بھی ایک سے زیادہ مذاہب کے مانے والے موجود ہیں اور ان کے درمیان تنازعات پا کے جاتے ہیں، ان کے حل میں مذہبی قائدین کا کردار کیا ہو سکتا ہے۔ اس وقت دنیا میں، اور عموماً تاریخ میں بھی، جہاں مذہب پر مبنی تنازعات نظر آتے ہیں، وہاں مذہب part of the problem نظر آتا ہے، یعنی مذہب ان چھٹوں کو پیدا کرنے اور بڑھانے کا کردار ادا کرتا جو ادھمی دینا ہے تو اسے کیسے part of the solution بنایا جائے۔ ہر مذہب ایثار، قربانی، انصاف پسندی اور انسانی ہمدردی کی تعلیم دیتا ہے، ان تعلیمات سے تنازعات کے حل میں کیسے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

ڈریو یونیورسٹی میں قائم اس مرکز کی سرگرمیوں کا خاص میدان بھی یہی ہے کہ معاشرے میں موجود تنازعات کے حل میں مذہب اور مذہبی قائدین کا کیا کردار ہو سکتا ہے۔ اس حوالے سے سنفر کے منتظمین و رکشائپس اور کانفرنس منعقد کرتے رہتے ہیں۔ جس ورکشاپ میں مجھے شرکت کی دعوت دی گئی، اس میں دنیا کے چھ ممالک (پاکستان، نائجیریا، مصر، اندونیشیا، فلسطین اور اسرائیل) سے تینوں ابراہیمی مذاہب سے تعلق رکھنے والے پیشیت کے قریب افراد شریک تھے۔ یہ ممالک ہیں جن میں کسی نہ کسی حوالے سے مذہبی تنازعات یا مذہبی کشیدگی کا مسئلہ موجود ہے۔ شاید اسی حوالے سے ان کا انتخاب کیا گیا۔ نائجیریا میں مسلم مسیحی تصادم کی صورت حال پچھلے کئی سالوں سے درپیش ہے۔ پاکستان میں بھی مذہبی تشدد اور مذہب پر مبنی تنازعات موجود ہیں۔ اندونیشیا میں مسلمان معمولی اکثریت میں ہیں، جبکہ بہت بڑی تعداد دیگر مذاہب سے وابستہ ہے، اس لیے وہاں بھی تنازعات موجود ہیں۔ مصر میں بھی صورتحال ایسی ہی ہے اور فلسطین اور اسرائیل کے بارے میں تو سب جانتے ہیں۔

سمناسی ٹیوٹ میں پاکستان سے سات لوگ مدعو تھے۔ ادارہ برائے امن و تعلیم، اسلام آباد سے وابستہ تین

حضرات، ڈاکٹر محمد حسین، محمد رشید اور غلام مرتضی شریک ہوئے۔ کراچی سے تعلق رکھنے والے سچی مذہبی راہ نما فادر ارنست ندیم بھی ہمارے ساتھ تھے، جبکہ لمر یونیورسٹی کی دو طالبات مناہل مہدی اور فاطمہ خالد بھی اس ورک شاپ میں شریک تھیں۔ اسی طرح جاتی مالک سے بھی اوس طبقہ چھ سات سات افراد کو دعوت دی گئی تھی۔

سر انسٹی ٹیوٹ کی سرگرمیوں کی ترتیب یہ تھی کہ پہلے سے طے شدہ موضوعات پر مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے ماہرین کو مدعو کیا جاتا تھا جو متعلقہ عنوان پر پیچھہ دیتے تھے۔ اس پر سوال و جواب کا سلسہ ہوتا تھا اور پھر شرکاء کو مختلف گروپس میں تقسیم کر دیا جاتا تھا تاکہ وہ آپس میں اس موضوع پر تبادلہ خیال کریں۔

جن موضوعات پر گفتگو ہوئی، ان میں تینوں مذاہب کا تعارف، ان کے بنیادی عقائد، مختصر تاریخ، ہر مذہب کے مقدس صحائف اور مذہبی ماخذ کا تعارف، ان کی درجہ بندی اور ان کے مطالعہ کے بنیادی اصول وغیرہ شامل تھے۔ ہر مذہب میں کچھ نہ کچھ داخلی تقسیم ہوتی ہے۔ کچھ بنیادی چیزوں پر متفق ہوتے ہوئے بھی بہت سے اختلافات پائے جاتے ہیں۔ ان تقسیمات کا مختصر تعارف بھی عنوانات میں شامل تھا۔ جیسے مسلمانوں میں شیعہ سنی کی تقسیم ہے، سلفی اور صوفی کی تقسیم ہے۔ اسی طرح کی تقسیم ہر مذہب میں موجود ہے۔ اس پہلو پہنچی بات ہوئی کہ ان تینوں مذاہب کو جدید دور میں کن سوالات اور چیلنجز کا سامنا ہے۔ مثلاً خواتین کی سرگرمیوں کا کیا دائرہ ہے، ان کے معاشرتی و مذہبی حقوق کیا ہیں، معاشرے میں ان کا کردار کیا ہے، مذہبی قیادت میں ان کا کس قدر حصہ ہے، وغیرہ۔ یا ایک ایسا سوال ہے جو تینوں مذاہب کو درپیش ہے۔ ہر مذہب سے وابستہ خواتین میں یہ سوچ پیدا ہوئی ہے کہ خواتین کو بھی مذہبی روایت کی تشكیل میں، مذہبی قیادت اور مذہب کی تعبیر و تشریع میں کردار ادا کرنے کا موقع مانا چاہیے جبکہ تینوں مذاہب میں روایتی موقف عموماً یہ ہے کہ مذہبی دعوت و تبلیغ کے حوالے سے تحرک معاشرتی کردار، مذہبی تحقیق اور مذہب کی تعبیر و تشریع، یہ مردوں کا شعبہ ہے۔ خواتین کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ گھروں میں رہیں اور بچوں کی پرورش کریں۔ اسی طرح ہر مذہب اخلاقیات اور کچھ عملی پابندیوں کی بات کرتا ہے۔ جدید دور میں ان مذہبی پابندیوں کے بارے میں بھی سوالات پیدا ہوئے ہیں کہ یہ پابندیاں کس نوعیت کی ہیں، ان کی پابندی ضروری ہے یا نہیں اور ان میں کس حد تک چک پیدا کی جاسکتی ہے۔ جدیدیت کے تناظر میں تینوں مذاہب کو یہ اہم سوال بھی درپیش ہے۔

سر انسٹی ٹیوٹ کی سرگرمیوں میں دوسری اہم چیز Textual Reasoning اور Scriptural Reasoning ہے۔ پہنچنی مطالعاتی نشستیں تھیں جن کا بنیادی مقصود اس بات کی تفہیم پیدا کرنا تھا کہ مختلف مذہبی اور شافعی پیش منظر کیے مذہبی متون کے مطالعہ پر اثر انداز ہوتے ہیں اور مثلاً تورات، انجیل، قرآن یا احادیث کو پڑھتے ہوئے کیسے مختلف لوگ اپنے اپنے ہنری تناظر میں ان متون کو سمجھتے ہیں۔ یہ اختلاف اور تنوع ایک بھی مذہب کے ماننے والوں کے مابین بھی ہو سکتا ہے اور اسی طرح مختلف مذاہب کے لوگ جب کسی دوسرے مذہب کی کتاب پڑھتے ہیں تو ان کے فہم میں اور خود اس مذہب کے پیروکاروں کے فہم اور تعبیر و تشریع میں بھی فرق واقع ہو سکتا ہے۔ اس حوالے سے پہنچنی مطالعاتی نشستوں کا اہتمام کیا گیا جن میں باہل اور قرآن کے منتخب متون کو زیر مطالعہ لایا گیا۔ ایک گروپ میں شامل سب افراد اپنے ہنری تناظر میں متعلقہ

متن پر غور کر کے اپنے نتائج یا سوالات و اشکالات کو باقی شرکاء کے سامنے رکھتے اور زیر بحث کات پر باہم تبادلہ خیال کرتے تھے۔ اس ایکسرسائز کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ مذہبی زاویہ نظر کے اختلاف کو صحیح میں بڑی مدعا ہے، خواہ وہ ایک ہی مذہب کے ماننے والوں کے مانین ہو یا مختلف مذاہب کے مانین۔ یہ واضح ہوتا ہے کہ پڑھنے والے کامذہبی پس منظر اور ذاتی تاظر کیے مطالعہ متن پر اثر انداز ہوتا ہے اور بسا اوقات اس فرق سے کیسے، دوسرے مذاہب کے متعلق غلط فہمیاں اور غیر حقیقی تاثرات بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔

مثلاً قرآن کریم سے جو آیات منتخب کی گئیں، وہ بہت اہم تھیں۔ ان میں سے بعض کا تعلق جہاد کے ساتھ اور بعض کا خواتین کے حقوق و فرائض کے ساتھ تھا۔ جب ایک یہودی یا مسکی یہ متن پڑھا تو اپنے پس منظر کے اعتبار سے اس کا مفہوم اور معنویت طے کرے گا۔ اس طرح جب ہم مسلمان بائبل کو پڑھیں گے تو کسی بھی مسئلے پر اپنے پس منظر کے اعتبار سے رائے قائم کریں گے۔ لیکن اگر یہی متن ہم مل کر پڑھیں اور بتا دلہ خیال کریں تو اس کا موقع پیدا کر میں اپنی مذہبی کتاب کا مدعای بہتر طریقے سے دوسروں کو سمجھا سکوں۔ چنانچہ ان نشوتوں میں بھی ایسے موقع پیدا ہوئے کہ مسلمانوں نے بائبل کا متن پڑھا اور ان کے ذہن میں کچھ سوالات پیدا ہوئے اور انہوں نے اس کے بارے میں اپنا فہم پیش کیا، لیکن یہودی یا مسکی رفقاء نے کہا کہ ہماری مذہبی روایت میں اس طرح نہیں بلکہ اس طرح سمجھا جاتا ہے۔

تیسرا چیز جو اس ورکشاپ کا موضوع تھی، وہ تھی حل تازعات کی حکمت عملی، یعنی سوسائٹی میں تازعات پیدا کیسے ہوتے ہیں، بڑھتے کیسے ہیں، ان میں پیچیدگیاں کیسے در آتی ہیں، وہ خون ریزی تک کیسے جا پہنچتے ہیں۔ تازع کی مختلف شکلیں کیا ہوتی ہیں، مختلف سطحیں کیا ہوتی ہیں، کون سے تازعات ایسے ہوتے ہیں جن کو ختم کیا جاسکتا ہے، اور کن کی شدت کم کی جاسکتی ہے۔ بعض ابتدائی سطح کے ہوتے ہیں جن کو روکا جاسکتا ہے، بعض اپنی انتہا تک پہنچ چکے ہوتے ہیں۔ پھر یہ کہ ان کو حل کرنے کے لیے یا ان کی شدت کو کم کرنے کے لیے با اثر لوگ کیا کر سکتے ہیں، کون سے Tools استعمال کر سکتے ہیں۔ خاص طور پر مذہبی قائدین حل تازعات میں کیا کردار ادا کر سکتے ہیں۔ یہ گفتگو زیادہ تر نظری نوعیت کی رہی۔ میں نے اپنے تاثرات میں لکھا کہ اگر نظری مباحثت کے بجائے کچھ عملی تجربات اور مثالیں سامنے لائیں جائیں تو بہتر ہوتا۔ کچھ عملی مثالیں پیش بھی کی گئیں، لیکن اکثر مباحث نظری نوعیت کی رہے۔

سر انسٹی ٹیوٹ کے شرکاء کو تینوں مذاہب کی عبادت گاہوں کا دورہ کروانے کا بھی اہتمام کیا گیا تھا تاکہ وہ ہر مذہب کے مخصوص طریقہ عبادت کا مشاہدہ کر سکیں۔ اس غرض کے لیے جمعے کا ایک دن مختص کیا گیا تھا۔ چنانچہ پہلے شرکاء کو یہودیوں کی ایک عبادت گاہ (سینی گاگ) میں لے جایا گیا۔ اس کے بعد ایک چرچ کا وزٹ کروایا گیا۔ تاہم ان دونوں گھبیوں پر ہم عملاً عبادت ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکے، کیونکہ جمعہ کا دن تھا۔ پھر آخر میں سب شرکاء کو نیویارک کے ایک اسلامک سنٹر میں لے جایا گیا جہاں جمعہ کا اجتماع تھا۔ ہم نے جمعہ ادا کیا اور غیر مسلم شرکاء ایک گلری میں بیٹھ کر مشاہدہ کرتے رہے۔ یہ جمعہ کا ایک بڑا اجتماع تھا اور مسجد بھی بہت بڑی اور خوب صورت تھی۔ ہمارے ساتھ جو یہودی رفقاء آئے تھے، انہوں نے بتایا کہ انھیں اس منظر اور اس کی خوبصورتی اور عبادت کے خاص ماحول نے بہت متاثر کیا۔ ان میں سے بہت سے لوگ پہلی دفعہ مسجد میں گئے تھے اور پہلی مرتبہ مسلمانوں کو عبادت کرتے ہوئے دیکھا تھا۔